✿✿✿ تقریر ✿✿✿

تقریر بابت اللہ تعالیٰ
وقت 5-7 منٹ

محبتِ الٰہی

(تقریر نمبر2)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ (آلِ عمران:32)

یعنی کہہ دے، اگر تم اللہ سے محبّت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبّت کرنے لگے گا۔

تیرے ملنے کیلئے ہم مل گئے ہیں خاک میں
تا مگر درماں ہو کچھ اِس ہجر کے آزار کا
ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا
شور کیسا ہے ترے کوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

(درثمین)

معزز سامعین! مَیں نے کَل جب تقریر ختم کی تھی تو استغفار پر بات ہو رہی تھی۔ آج مَیں اِسی مضمون کو آگے لے کر بڑھوں گا۔ محبتِ الٰہی کی ایک اور روشن علامت استغفار کی کثرت ہے۔ عام تصوّر یہ ہے کہ استغفار صرف گناہ گاروں کی ضرورت ہے، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جو لوگ خدا تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں، وہی سب سے زیادہ استغفار کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”یہی بھید ہے کہ خدا تعالیٰ سے پاک اور کامل تعلق رکھنے والے ہمیشہ استغفار میں مشغول رہتے ہیں کیونکہ یہ محبت کا تقاضا ہے کہ ایک محبّ صادق کو ہمیشہ یہ فکر لگی رہتی ہے کہ اس کا محبوب اس پر ناراض نہ ہو جائے۔“

(چشمۂ مسیحی، روحانی خزائن، جلد20، صفحہ379)

پس استغفار محض گناہوں کی معافی طلب کرنے کا نام نہیں بلکہ تعلقِ محبت کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ ایک سچا عاشق ہر لحہ اپنے دل کو جھاڑتا، اپنی نیتوں کو پاک کرتا اور اپنے محبوب کے حضور جھک کر یہ دعا کرتا ہے کہ کہیں اس کی کمزوریاں اس کے قرب میں حجاب نہ بن جائیں۔

ایک روح پرور واقعہ: حضرت رابعہ بصریؒ کا عشقِ حقیقی

محبتِ الٰہی کی تاریخ میں حضرت رابعہ بصریؒ کا نام عشق و وفا کی ایک درخشاں مثال کے طور پر ہمیشہ زندہ رہے گا۔ آپ فرمایا کرتی تھیں:

”اے اللہ! اگر مَیں تیری عبادت دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے دوزخ میں ڈال دے اور اگر جنت کی لالچ میں کرتی ہوں تو مجھے جنت سے محروم کر دے۔ لیکن اگر میں صرف تیری خاطر تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھ سے اپنے جمالِ ازلی کا فیض کبھی نہ روک۔“

یہ الفاظ محبتِ الٰہی کی اُس بلند منزل کی ترجمانی کرتے ہیں جہاں عبادت نہ خوف سے جنم لیتی ہے اور نہ طمع سے، بلکہ صرف محبت سے جنم لیتی ہے۔ یہاں بندہ اپنے ربّ کو اس لیے نہیں چاہتا کہ اس سے کچھ حاصل کرے، بلکہ اس لیے چاہتا ہے کہ وہی اس کا محبوبِ حقیقی ہے۔

یہی وہ مقام ہے جس کی طرف قرآن اشارہ کرتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ:166)

کہ جو ایمان لائے، وہ اللہ سے سب سے بڑھ کر محبت کرنے والے ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے گناہ کی حقیقت کو محبتِ الٰہی کے تناظر میں نہایت گہرے انداز میں بیان فرمایا:

”گناہ درحقیقت ایک ایسا زہر ہے جو اس وقت پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان خدا کی اطاعت اور خدا کی پرجوش محبت اور محبّانہ یادِ الٰہی سے محروم اور بے نصیب ہو۔“

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب، روحانی خزائن جلد12 صفحہ 328)

درحقیقت گناہ خدا تعالیٰ سے بے تعلقی کی پیداوار ہے۔ جب دل خدا کی محبت سے خالی ہو جاتا ہے تو پھر دنیا، نفس اور خواہشات اس خالی جگہ کو پُر کرنے لگتے ہیں۔ نتیجتاً روح اپنی روشنی کھونے لگتی ہے اور انسان اضطراب، بے اطمینانی اور باطنی تاریکی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”غرض گناہ کے دور کرنے کا علاج صرف خدا کی محبت اور عشق ہے۔“

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب، روحانی خزائن جلد12 صفحہ 330)

محبتِ الٰہی ایک ایسی آگ ہے جو دل کی آلودگیوں کو جلا دیتی ہے، نفسانی خواہشات کی شدّت کو کم کر دیتی ہے اور انسان کے اندر پاکیزگی کی نئی دنیا آباد کر دیتی ہے۔ پھر بندہ نیکی اس لیے نہیں کرتا کہ اسے کرنا چاہیے، بلکہ اس لیے کرتا ہے کہ اس کا محبوب اسے پسند کرتا ہے اور گناہ اس لیے نہیں چھوڑتا کہ وہ ممنوع ہے، بلکہ اس لیے چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کی ناراضی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہی محبتِ الٰہی کی حقیقی علامت اور اس کا سب سے حسین ثمر ہے۔ لیکن محبتِ الٰہی کا اثر صرف گناہوں سے نفرت تک محدود نہیں رہتا۔ جب یہ محبت دل میں کامل طور پر راسخ ہو جاتی ہے تو انسان کے پورے زاویۂ نگاہ کو بدل دیتی ہے۔ پھر اس کی امیدوں کا مرکز، اعتماد کا سرچشمہ اور سکون کا محور صرف خدا تعالیٰ کی ذات بن جاتی ہے۔ وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی ایک نئی روحانی آزادی، غیر اللہ سے بے نیازی اور خدا پر کامل توکل کی دولت سے بہرہ مند ہو جاتا ہے۔

محبتِ الٰہی کے ثمرات: دیدارِ الٰہی کی بصیرت، کامل انکسار اور غیر اللہ سے بے نیازی

محبتِ الٰہی کی ایک نہایت عظیم خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسان کو صرف نیکی کی طرف مائل نہیں کرتی بلکہ اس کے پورے زاویۂ نگاہ کو تبدیل کر دیتی ہے۔ وہ آنکھ جو پہلے دنیا کے ظاہری اسباب کو ہی سب کچھ سمجھتی تھی، محبتِ الٰہی کے نور سے منوّر ہو کر اس حقیقت کو پالیتی ہے کہ تمام اسباب کے پس پردہ ایک ہی قادر و قیوم ہستی کارفرما ہے۔ پھر اس کی امیدیں مخلوق سے زیادہ خالق سے وابستہ ہو جاتی ہیں، اس کا اعتماد دنیا سے زیادہ خدا پر قائم ہو جاتا ہے اور اس کی روح دنیا کے ہنگاموں میں بھی ایک عجیب اطمینان اور سکون محسوس کرنے لگتی ہے۔ قرآنِ کریم اسی روحانی کیفیت کو نہایت جامع انداز میں بیان کرتا ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:29)

کہ سن لو! اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔

یہ اطمینان محض ذہنی سکون نہیں بلکہ روح کی وہ گہری آسودگی ہے جو انسان کو اس وقت نصیب ہوتی ہے جب وہ اپنی زندگی کے ہر معاملے میں اپنے ربّ کی قربت اور نگہبانی کو محسوس کرنے لگتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ کے قرب اور معرفت کے حصول کا نہایت جامع اور دل نشین نسخہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”جو شخص چاہتا ہے کہ اِسی دنیا میں اس خدا کا دیدار نصیب ہو جائے جو حقیقی خدا اور پیدا کنندہ ہے۔ پس چاہئے کہ وہ ایسے نیک عمل کرے جن میں کسی قسم کا فساد نہ ہو۔“

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد20 صفحہ 154)

یہاں دیدارِ الٰہی سے مراد جسمانی آنکھ سے خدا تعالیٰ کو دیکھنا نہیں بلکہ ایسی روحانی بصیرت کا حصول ہے جس میں بندہ اپنے ربّ کی صفات، اس کی قدرت اور اس کے تصرّفات کو ایک زندہ حقیقت کے طور پر محسوس کرنے لگتا ہے۔ پھر اس کی دعائیں محض الفاظ نہیں رہتیں بلکہ ہم کلامی کا رنگ اختیار کر لیتی ہیں، اس کی عبادت رسمی ادائیگی نہیں رہتی بلکہ انس و قرب کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اس کا دل ہر حال میں اپنے ربّ کی طرف رجوع کرنے لگتا ہے۔

محبت کا دوسرا نام: انکسار

سامعین! لیکن قربِ الٰہی کی یہ دولت تکبّر اور خود پسندی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ محبت اور غرور ایک دل میں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسی اقتباس میں مزید فرماتے ہیں:

"بلکہ سب کچھ کر کے یہ سمجھا جائے کہ ہم نے کچھ نہیں کیا اور نہ اپنے علم پر کوئی غرور کیا جائے اور نہ اپنے عمل پر کوئی ناز۔ بلکہ اپنے تئیں فی الحقیقت جاہل سمجھیں اور کاہل سمجھیں اور خدا تعالیٰ کے آستانہ پر ہر ایک وقت روح گری رہے۔"

(لیکچر لاہور، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 154)

یہ محبتِ الٰہی کی نہایت لطیف حقیقت ہے کہ انسان خدا کے جتنا قریب ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی اپنی عاجزی، کم مائیگی اور بے بضاعتی کا احساس بڑھتا جاتا ہے۔ اسے اپنی نیکیاں بھی کم دکھائی دینے لگتی ہیں اور اپنی عبادتیں بھی ناکافی محسوس ہونے لگتی ہیں۔

ایک ایمان افروز مثال: حضرت بایزید بسطامیؒ کی عاجزی

تاریخِ تصوّف میں حضرت بایزید بسطامیؒ کا نام محبتِ الٰہی اور انکسار کا روشن استعارہ ہے۔ روایت ہے کہ ایک رات آپ عبادت میں مشغول تھے۔ رقّت طاری ہوئی، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور عرض کرنے لگے:

"اے اللہ! تیری ذات بے نیاز ہے، تیری محبت میں میری کیا حیثیت ہے؟ مَیں کس قابل ہوں کہ تیرا نام لوں اور تیری بارگاہ میں کھڑا ہوں؟"

یہ وہ کیفیت ہے جو محبتِ الٰہی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ عاشق جتنا اپنے محبوب کی عظمت کو پہچانتا ہے، اتنا ہی خود کو حقیر محسوس کرتا ہے۔ یہی انکسار محبت کی زینت ہے اور یہی قربِ الٰہی کا دروازہ ہے۔

غیر اللہ سے بے نیازی

محبتِ الٰہی کا ایک اور عظیم ثمر یہ ہے کہ انسان غیر اللہ سے بے نیاز ہونے لگتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دنیا کے اسباب ترک کر دیتا ہے یا جائز تعلقات منقطع کر لیتا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دل کا مرکز، امیدوں کا محور اور اعتماد کا سرچشمہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات بن جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہوگے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہوگے اور خدا اسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑے گا۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 21)

یہ محض ایک روحانی نصیحت نہیں بلکہ محبتِ الٰہی کا عظیم قانون ہے۔ جو شخص خود کو خدا کے سپرد کر دیتا ہے، خدا تعالیٰ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔ پھر وہ دنیا کے خوف، اندیشوں اور غیر ضروری اضطرابات سے بڑی حد تک آزاد ہو جاتا ہے۔ قرآنِ کریم اسی حقیقت کو یوں بیان فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: 4)

کہ جو اللہ پر توکّل کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

محبت کی معراج: خدا ہی جنت بن جائے

سامعین! محبتِ الٰہی کا بلند ترین اثر یہ ہے کہ انسان کی سب سے بڑی لذّت خدا تعالیٰ کی قربت میں سمٹ آتی ہے۔ پھر اس کی خوشی دنیا کی کامیابیوں میں نہیں بلکہ اپنے ربّ کے ذکر میں ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں۔ کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوب صورتی اس میں پائی۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن، جلد 19، صفحہ 21)

یہ اقتباس محبتِ الٰہی کے انتہائی بلند مقام کی ترجمانی کرتا ہے۔ عام انسان جنت کو نعمتوں کے تناظر میں دیکھتا ہے، لیکن ایک عاشقِ الٰہی کے نزدیک اصل جنت اپنے محبوب کی محبت، اس کے قرب اور اس کے اُنس میں پوشیدہ ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں دنیا کی عارضی کششیں اپنی حقیقی حیثیت میں نظر آنے لگتی ہیں۔ دولت، شہرت اور اقتدار اپنی چمک کھو دیتے ہیں اور دل ایک ایسے خزانے سے وابستہ ہو جاتا ہے جو فنا پذیر نہیں، ایک ایسی محبت سے منسلک ہو جاتا ہے جس میں جدائی نہیں، اور ایک ایسے محبوب سے رشتہ قائم کر لیتا ہے جو ہر حال میں قریب، مددگار اور حقیقی سہارا ہے۔

پس محبتِ الٰہی انسان کو دیدارِ الٰہی کی بصیرت، کامل انکسار، غیر اللہ سے بے نیازی اور خدا پر کامل توکّل کی دولت عطا کرتی ہے۔ یہی وہ روحانی کیفیت ہے جس میں بندہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جنت کی خوشبو محسوس کرنے لگتا ہے۔

لیکن محبتِ الٰہی کا سفر یہاں بھی ختم نہیں ہوتا۔ اس کی سب سے بلند منزل یہ ہے کہ انسان صرف خدا سے محبت نہ کرے بلکہ خدا کا محبوب بن جائے۔ اس کے اعمال، اخلاق اور اخلاص اس مقام تک پہنچ جائیں کہ آسمان بھی اس کی محبت کی گواہی دے۔ یہی محبتِ الٰہی کی معراج ہے۔

محبتِ الٰہی کی معراج: خدا کا محبوب بن جانا

محبتِ الٰہی کی سب سے بلند منزل یہ نہیں کہ بندہ صرف یہ کہے کہ وہ خدا سے محبت کرتا ہے، بلکہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بھی اپنے بندے سے محبت فرمانے لگے۔ محبت کی تکمیل دوطرفہ تعلق میں ہوتی ہے۔ جب بندہ اپنے دل، اپنی خواہشات اور اپنی زندگی کو اپنے ربّ کے سپرد کر دیتا ہے تو اس کے اعمال، اخلاق اور اخلاص اسے اس مقام تک پہنچا دیتے ہیں جہاں آسمان بھی اس کی محبت کی گواہی دینے لگتا ہے۔

قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (المائدہ:55)

کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں

یہ آیت محبتِ الٰہی کی معراج کو نہایت جامع انداز میں بیان کرتی ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذکر ہے اور پھر بندوں کی محبت کا۔ گویا اصل کامیابی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اس قابل بنالے کہ وہ اپنے ربّ کی محبت کا مورد بن جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”خدا نہ معمولی طور پر بلکہ نشان کے طور پر کامل متقی کو بلا سے بچاتا ہے۔ ہر ایک کہہ سکتا ہے کہ مَیں خدا سے پیار کرتا ہوں۔ مگر خدا اسے پیار وہ کرتا ہے جس کا پیار آسمانی گواہی سے ثابت ہو۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 82)

یہ اقتباس محبتِ الٰہی کی ایک نہایت اہم حقیقت آشکار کرتا ہے کہ محبت محض دعویٰ نہیں بلکہ ایک زندہ تجربہ ہے۔ سچی محبت انسان کے کردار میں پاکیزگی، اس کے اعمال میں اخلاص اور اس کے دل میں تقویٰ پیدا کرتی ہے۔ اگر محبت کا دعویٰ موجود ہو مگر زندگی میں کوئی روحانی تبدیلی پیدا نہ ہو تو وہ محبت ابھی اپنے مطلوبہ معیار تک نہیں پہنچی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

"سو تم کوشش کرو کہ خدا کے پیارے ہو جاؤ تا تم ہر ایک آفت سے بچائے جاؤ۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 82)

یہی محبت کی معراج ہے کہ بندہ اپنے محبوب کی رضا کو اپنی خواہشات پر مقدّم کر دے، اپنی ذات کے بجائے اپنے ربّ کو مرکز بنالے اور اپنے ظاہر و باطن کو اس کے حضور پاک کرنے کی مسلسل کوشش کرتا رہے۔

صحابہؓ: محبتِ الٰہی کے عملی نمونے

محبتِ الٰہی کا سب سے روشن اور مکمل نمونہ ہمیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں نظر آتا ہے۔ انہوں نے نہ صرف بُت پرستی اور مخلوق پرستی سے کنارہ کشی اختیار کی بلکہ دنیا کی محبت بھی ان کے دلوں سے نکل گئی اور خدا تعالیٰ کی محبت ان کے وجود پر غالب آگئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”صحابہ نے اس قدر صدق دکھایا... در حقیقت ان کے اندر سے دنیا کی طلب ہی مسلوب ہو گئی اور وہ خدا کو دیکھنے لگ گئے۔ وہ نہایت سرگرمی سے خدا تعالیٰ کی راہ میں ایسے فدا تھے کہ گویا ہر ایک ان میں سے ابراہیم تھا۔“

(ملفوظات، جلد 6 صفحہ 137)

یہ وہ لوگ تھے جن کے لیے ایمان ایک نظریہ نہیں بلکہ جیتی جاگتی حقیقت تھا۔ ان کے دل خدا کی محبت سے اس طرح منوّر ہو گئے تھے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی قربانی بھی ان کے قدموں کو متزلزل نہ کر سکی۔ ان کی عبادت میں لذّت تھی، ان کی قربانی میں سرور تھا اور ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو اپنے ربّ کی رضا تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ محبتِ الٰہی کا کامل اثر یہی ہے کہ انسان کا دل پاک ہو جائے، اس کی نیّت خالص ہو جائے اور اس کی پوری زندگی اس حقیقت کی ترجمان بن جائے کہ اس کا سب سے بڑا سرمایہ، سب سے بڑی لذّت اور سب سے بڑی آرزو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

محبتِ الٰہی دراصل انسانی زندگی کا وہ نقطۂ انتہا ہے جہاں سوال ختم نہیں ہوتے، جواب خود انسان بن جاتا ہے۔ جب دل اپنے ربّ کی محبت سے منوّر ہو جائے تو عبادت بوجھ نہیں رہتی، زندگی مقصد نہیں رہتی بلکہ بندگی بن جاتی ہے اور انسان اپنی خواہشات کے بجائے اپنے محبوبِ حقیقی کی رضا میں جینے لگتا ہے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں انسان اپنی کمزوریوں سمیت اپنے ربّ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، مگر اس کی امید ٹوٹتی نہیں، کیونکہ وہ جان لیتا ہے کہ جس سے وہ محبت کر رہا ہے وہی اس کی کمزوریوں کا پردہ پوش بھی ہے اور اس کی کم مائیگی کا سہارا بھی۔ محبتِ الٰہی انسان کو گراتی نہیں، بلکہ گر کر سنبھلنے کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔ یہ انسان کو توڑتی نہیں بلکہ جوڑ کر ایک نئی معنوی زندگی عطا کرتی ہے۔

آخر کار یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ محبتِ الٰہی کوئی منزل نہیں بلکہ ایک مسلسل سفر ہے ایسا سفر جو انسان کو خود سے خدا تک اور پھر خدا کی رضا تک لے جاتا ہے اور جب یہ سفر اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو زبان خاموش ہو جاتی ہے، لفظ عاجز ہو جاتے ہیں اور دل خود ہی کہہ اٹھتا ہے:

”میری تمام تلاش ختم ہو گئی، کیونکہ مَیں نے اپنے ربّ کو پا لیا ہے اور اب میرے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں، صرف پانے کے لیے اس کی رضا باقی ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی محبت عطا فرمائے۔ آمین

(یہ تقریر مکرم نعیم اللہ باجوہ۔ میلبورن آسٹریلیا کے ایک مضمون سے تیار کی گئی ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ)

✡✡✡✡